ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی

اسلام کا نظریہ تعلیم

یہ اشتراکی اور جمہوری نظام تعلیم سے کس طرح مختلف ہے

> یہ اچھوتا موضوع اس قابل ہے کہ ملک کے ماہرین تعلیمات اور اصحاب دانش اس پر اپنے افکار و تاثرات کا اظہار کریں۔ مضمون ذیل ضرور درجہ فکر آفریں ہے۔ اور ہمیں توقع ہے کہ اس عنوان پر دوسرے حضرات بھی اپنے افکار قلمبند کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔

تاریخ شاہد ہے کہ انسان ہمیشہ ایک حالت سے دوسری بہتر حالت کی طرف آنے کے لیے سرگرم عمل رہا ہے۔ ہر زمانے میں ایک فرد نے اپنی اولاد کو، ایک قوم نے اپنی آنے والی نسل کو اپنے علم، تجربات کی امانت سے مالامال کیا ہے، اور اسی سے مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں تہذیب و شائستگی کے چراغ روشن ہوئے ہیں۔ زمانہ کے وسیع بساط پر آب و ہوا، ضروریاتِ زندگی اور طبائع کے گوناگوں اختلافات کے باعث اقوام عالم کے سامنے اپنے اپنے مخصوص نظریۂ حیات رہے ہیں اور انھیں پروان چڑھانے اور عام کرنے کی انھوں نے کوششیں کی ہیں۔ اس سلسلہ میں جو چیز ان کے مقاصد کے حصول کا سب سے اہم ذریعہ بنی وہ تعلیم ہے۔

انسانیت کی تاریخ کی اوراق گردانی کی ضرورت نہیں۔ سب جانتے ہیں انسانیت کے ابتدائی دور میں وحشی قوموں کے سامنے تعلیم کا طریقہ کیا تھا۔ لوگ اس سے بھی آگاہ ہیں کہ زمانہ

کی ترقیوں کے ساتھ کس طرح چین، مصر، روم، عرب، اسپین، انگلستان، امریکہ، ماسکو میں علم کی شعاعیں پہنچیں اور کس طرح ہر قوم کے سامنے اپنا تعلیمی نصب العین رہا ہے۔

علم کی فہم کو عام کرنے میں دو جماعتوں نے حصہ لیا ہے۔ ایک ان انبیائے کرام کی جماعت ہے جو انسانیت کو اس کی ہر منزل میں خالق کائنات کی طرف سے راہِ ہدایت دکھاتی رہی۔ یہاں تک کہ اس علم کی جس کی تکمیل وحی الٰہی سے ہونا تھی مکمل ہوئی۔ آج ہم کو اس دنیا میں جو کچھ اخلاق، نیکی، خیر، علم نافع نظر آتا ہے وہ اسی سرچشمۂ علم و عرفان کا نتیجہ ہے۔ دوسرے ان افراد کی جماعت کا جو اپنی اپنی فکر اور اپنے نصب العین کے تحت دنیا کو اپنے علم سے متاثر کرنے میں لگے رہے۔ کسی نے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے بالواسطہ متاثر ہوکر کسی نے ان سے قطع نظر کر کے۔

لیکن یہاں ایک بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے کہ حقائق زندگی بدلا نہیں کرتے اور جن حقائق کا ادراک انسان کی دسترس میں ہے ان میں وہ اپنی سعی، جد و جہد کے ذریعہ ایک دوسرے سے ہمیشہ سبقت لے جاسکتا ہے۔ وہ ان کے نتائج سے مستفید بھی ہوسکتا ہے لیکن جن حقائق کا ادراک تمام بنی نوع انسان کے فکر سے بالاتر ہے ان کو اپنی فکر و عمل میں جگہ دینے کے لیے ایک "ایمان" کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ یقین حق پر ہو یا باطل پر اس ایمان کی وسعت اور صداقت پر انسان کی جولانیٔ فکر کی وسعتوں کا دار و مدار رہا ہے۔ دنیا میں جو کچھ ترقیاں ہوئی ہیں وہ ایک یقین محکم اور عمل پیہم ہی کا نتیجہ ہیں۔ ان کے بغیر چارہ نہیں۔ اقوام عالم کا تمام تر فرق صرف اس بات پر ہے کہ

یقین کس پر؟ ــــــــــــ عمل کس لیے؟ ــــــــــــ

مفکران تعلیم، فلاسفر، سائنسدان سب انہی دو باتوں کے جواب دینے میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے انھیں مقاصد کے پیش نظر نہایت احتیاط، دور اندیشی، جزرسی سے اپنا اپنا نصاب تعلیم مرتب کرتے رہتے ہیں۔ اس جد و جہد میں زمانے نے سب لے تمام پلٹے کھائے یہاں تک آج دنیا سمٹ کر دو گروہوں میں تقسیم ہوتی جارہی ہے۔ ایک انٹرا کینٹ پسند

گروہ دوسرا جمہوریت پسند۔ لیکن قضا و قدر کے فرشتے منتظر ہیں کہ ایک جماعت جو حق کی امین ہے کب بیدار ہوتی ہے کہ رحمت و محبت کے جلوے پھر عام ہوں۔ انسانیت فروغ پائے، مادیت سے استفادہ ضرور ہو لیکن محض مادیت مقصد حیات نہ ہو۔

آیئے قبل اس کے کہ حق گو، حق جو، حق نما نظریۂ تعلیم پر نظر ڈالیں جس کو سمجھنے کے لیے ہم خود بھی تیار نہیں، پہلے ان دو اہم جماعتوں کے نظریۂ تعلیم کا جائزہ لیں جنھوں نے ہماری نظروں کو خیرہ کر رکھا ہے تاکہ ہم پر ہمارے نصب العین کی خوبیاں روشن ہو سکیں۔

اشتراکی نظامِ تعلیم

پروفیسر وائی۔ این میڈنسکی جو روس کی تدریسی اکیڈمی کا اہم رکن ہے روس کے تعلیمی مقاصد کے متعلق لکھتا ہے:

"اشتراکی روس کا تعلیمی نظام بنیادی طور پر سامراجی نظامِ تعلیم سے مختلف ہے۔ یہ اس نظامِ تعلیم سے بھی بالکل مختلف ہے جو خود روس میں دورِ اشتراکیت کے انقلاب سے قبل رائج تھا۔ ہر ملک کی تعلیم کا نصب العین اس ملک کے اقدار اور مقاصد سے متعین ہوتا ہے۔ روس جس اشتراکیت کا علمبردار ہے اس کے لیے جس فہم اور صلاحیت کے لوگوں کی ضرورت ہے، اشتراکی روس کا نظامِ تعلیم اسی کی فراہمی کا ضامن ہے۔"

خود اسٹالن نے ایک بار کہا تھا کہ تعلیم ایک آلۂ کار ہے جس کے نتائج اس پر مبنی ہیں کہ یہ آلۂ کار کس کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے روس کی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام میں یہ بات نہایت وضاحت کے ساتھ صاف صاف درج ہے کہ تعلیم ایک وسیلہ ہے جس کی غرض کمیونسٹ سوسائٹی کی ترقی اور بقا ہے۔ روس نے اپنی اشتراکیت کے "ایمان" کو نہ صرف زبان سے کہا بلکہ دل سے اس کو سچ مانا اور تعلیم کی ہر منزل میں غور و فکر، تحقیق اور یقین کے ساتھ اس مقصد کے حصول کو پیشِ نظر رکھا۔ اشتراکی اندازِ فکر میں ہر وہ طریقہ جو اُن کے اپنے

مفاد اور نصب العین کے فروغ کا باعث ہو جائز اور احسن ہے خواہ اس سے خود ان کی قوم کے افراد اور ان کے جذبات کو ٹھیس لگے یا دوسری قوموں کو اس سے نقصان پہنچے۔ اشتراکیت کو مرکز فکر بنا کر انھوں نے بیس سال کی مختصر مدت میں ایک ایسی طاقت حاصل کر لی ہے کہ آج کی دنیا نہ صرف ان کی طاقت کا اعتراف کرتی ہے بلکہ ان کی حیرت انگیز ترقیوں اور تباہ کن قوتوں سے خائف ہے۔ اور ایک بڑی جماعت صرف اس بات پر لگی ہوئی ہے کہ کیسے اس نکتہ فکر کو نوجوانوں کے قلوب میں جگہ پانے سے روکا جائے۔

اشتراکی نظام تعلیم کے متعلق ایک اور نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ ان کے نزدیک ہر وہ علم جو اشتراکیت کی تعمیر اور فروغ کا باعث ہو اس کا حاصل کرنا قوم کے لیے ضروری ہے۔ لینن کا قول ہے "تم کبھی کمیونسٹ نہیں ہو سکتے جب تک تم اپنے ذہن کو ان تمام علوم کا خزانہ نہ بنا لو جو انسانیت نے اپنی ترقی کے کسی دور میں بھی معلوم کیے ہیں۔"

اشتراکیت کا نظام تعلیم بھی "ذکر اخلاق" سے خالی نہیں۔ بالعموم اس کا ذکر مزدور کے تعلق سے ہوتا ہے تاکہ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ایک اخلاقی محاذ قائم کیا جا سکے۔ اس اخلاق کو لینن کی زبان میں "کمیونسٹ اخلاق" کہتے ہیں۔ لینن کا کہنا ہے کہ ملک کے نظام تعلیم و تربیت سے اس کمیونسٹ اخلاق کا ایک گہرا تعلق ضروری ہے۔

ان چند الفاظ سے اشتراکی نظام تعلیم کے مرکزی تصوّر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آج اشتراکیت نے اپنے اسی مرکزی تصوّر پر یقین کامل پیدا کر کے جو ترقی کی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

جمہوری نظام تعلیم

یوں تو یورپ کے ہر چھوٹے سے چھوٹے ملک کی تعلیمی اعتبار سے خود ایک اپنی تاریخ ہے۔ لیکن گذشتہ نصف صدی میں جو حیرت انگیز ترقیاں مغرب میں ہوئیں وہ

بیشتر ریاستہائے متحدہ کی تحریک جمہوریت کی رہین منت ہیں۔ ہرچند مغرب کی تہذیب کا چراغ اسپین کے مسلمانوں نے جلایا اور یورپ سے علوم کی روشنی مغرب بعید میں پہنچی جہاں بظاہر مذہب کی جگہ کلچر نے لی لیکن ہمیں نہ بھولنا چاہیے کہ مغرب، مذہب کا نام لے یا نہ لے وہ آپس میں لڑیں یا جھگڑیں لیکن ان کے قلوب میں اسلام سے جو ایک نفرت راسخ ہے وہ ان کو اسلامی ممالک کے مقابلہ میں ہمیشہ ایک مرکز عیسائیت پر جمع کر دیتی ہے۔ مغربی نظام تعلیم جس قدر اپنی لادینیت کا اظہار کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے رگ و ریشہ میں عیسائیت کے تصوّرات رچے ہوئے ہیں۔ جہاں مذہب ان کے نظریۂ حیات کا ساتھ دینے سے قاصر رہا۔ انھوں نے خود مذہب کو بدل ڈالا۔ کبھی ثقافت کے نام پر اس کے حدود کو وسیع کیا گیا کبھی جمہوریت کو اس کی جگہ اپنایا گیا لیکن ایک کثیر جماعت کے لیے ان کے تعلیمی نظام کی روح عیسائیت ہی قرار پائی۔ شاید اس حقیقت کی طرف روبرٹ اسپنسر لیسن اپنی قوم کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے کہ ایک تعلیمی ادارہ کے ساتھ ایک گرجا کی بڑی اہمیت ہے۔ گرجا میں عبادت رسماً کی جائے یا خلوص کے ساتھ لیکن اس کا ایک بڑا اثر یہ ضرور ہوتا ہے کہ مذہبی اقدار دل میں جگہ پا لیتے ہیں۔

مغربی تعلیم کے مفکروں نے مذہب سے قطع نظر کر کے بھی جب اپنے مقاصد تعلیم کا جائزہ لیا تو وہ چند اعلیٰ نتائج پر پہنچے ہیں۔ مغربی نظام تعلیم کے یہ اعلیٰ مقاصد برک لین کالج (نیویارک) کے ایک ماہر تعلیم پروفیسر کارلٹن واشبرن نے پیش کیے ہیں۔ وہ ان کو تین حصوں میں منقسم کرتا ہے:

۱۔ اظہار شخصیت و نظم و ضبط

۲۔ تحفظ اور علم

۳۔ معاشرتی احساس اور جمہوریت

آیئے پہلے اس مغربی مفکر تعلیم سے ان الفاظ کا مفہوم اور وسعت پر روشنی ڈالیں۔

اظہار شخصیت و نظم و ضبط

فاضل مصنف نے اس عنوان کے تحت ایک بچہ کے اٹھان اور اس کے نشو و نما کے انداز اور

رجحانات سے بحث کی ہے۔ اس نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ ہر بچہ کی فطرت ایک خاص انداز سے نشوونما پاتی ہے۔ ہر بچہ کی ایک اپنی صلاحیت و استعداد ہے۔ اس کی فطرت میں چند وہ اجزاء ہوتے ہیں جو صرف اس کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔ چند ان اثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں جن سے وہ ابتدائی دور میں اپنے ماحول سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی ایک خاص انفرادیت کا حامل ہے۔ وہ ہر عمر میں اپنی صلاحیتوں کو نمایاں کرنے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔ وہ یقیناً ہدایت کا طالب رہتا ہے لیکن ہدایت وہی ہدایت ہے جو عمر کے تقاضوں کے مطابق ہو اور بچہ میں آگے بڑھنے کی ایک امنگ پیدا کر دے۔

بچہ کی ان صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ایک تنظیم، نظم و ضبط کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تنظیمی عنصر بھی خود بچہ کی فطرت میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی ہر صلاحیت کو کسی تنظیمی صورت میں پیش کرنا چاہتا ہے۔ خواہ کاغذ پر لکیریں بنا کر ہو یا لکڑی کے ٹکڑوں کو کسی انداز سے جوڑ کر۔ اکثر اس کی بے نظامی میں خود ایک نظام ہوتا ہے۔ اس وقت اس کی شخصیت کو جو نظامِ تعلیم ایک راستہ پر لگانا چاہتا ہے وہ پہلے بچہ کی اس فطرت کو اپنا رہنما بناتا ہے گویا وہ خود بچوں کے ساتھ ان کی دلچسپیوں میں حصہ لے کر اپنی شخصیت ان کے بچپن میں گم کر دیتا ہے، اور ان کا اعتماد حاصل کر کے رفتہ رفتہ اس کو ایسے نظم و ضبط کی طرف لاتا ہے جس سے اس کی شخصیت کے عناصر فروغ پاتے ہیں۔ لیکن دوسروں کی شخصیت اس کی آزادی کے مضر اثرات سے محفوظ رہتی ہے۔ گویا ایک اچھا نظامِ تعلیم بچہ کے طبعی شعور اور احساسات کی اس طرح رہنمائی کرتا ہے کہ اس کی اپنی دلچسپیاں اور صلاحیتیں پورے طور سے اجاگر ہو جائیں۔ یہ نظامِ تعلیم بچہ پر پابندیاں بھی عائد کرتا ہے لیکن اس انداز سے کہ رفتہ رفتہ یہ پابندیاں خود نظم و ضبط کی صورت سے اس کی فطرتِ ثانیہ بن جائیں۔ اس طرح جدید نظامِ تعلیم بچوں کی شخصیت نمایاں کرنے، اس کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور ان میں نظم و ضبط پیدا کرنے میں معاون ہوتا ہے۔

تحفظ و تعلیم

جدید مغربی تعلیم کا دوسرا اہم جز واش برن کے نزدیک تحفظ اور علم ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جس طرح شخصیت کے اظہار کے لیے نظم وضبط ضروری ہے اسی طرح تحفظ ذات کے لیے علم کی ضرورت ہے۔ تحفظ کی بنیادیں پہلے آغوش مادر میں، پھر گھر کے ماحول میں مستحکم ہوتی ہیں۔ ایام طفلی میں محبت، شفقت، خاندانی نظام اس کے اجزائے ترکیبی بنتے ہیں۔ آگے چل کر تعلیم اس تحفظ کی بڑی حد تک ذمہ دار بن جاتی ہے۔ جس طرح لڑکپن میں گھر کے ماحول میں اظہار شخصیت کا ایک فطری تحفظ موجود تھا آگے چل کر اس تحفظ کو حاصل کرنے کے لیے انسان کو اپنے خیالات کی پسندیدہ طریقہ سے ترجمانی کرنا پڑتی ہے۔ اس کو دوسروں کی اعانت اور ہمدردی حاصل کرنا ہوتی ہے۔ ان تمام امور کے لیے وہ مجبور ہے کہ اس کے پاس بھی کچھ اس علم کی دولت ہو جس سے دوسرے بہرہ مند ہوں۔ تاکہ وہ ان سے ایک رابطہ قائم کر سکے۔ یہ بات صرف اکتساب علم سے حاصل ہوتی ہے۔ موجودہ نظام تعلیم کا مقصد بچوں کو محض لکھنا پڑھنا ہی سکھانا نہیں بلکہ ان جملہ صلاحیتوں کو بیدار کرنا ہے۔ اس لیے ایک اچھے نظام تعلیم کی تمام تر توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ طلبہ کو، کب، کیا اور کس طرح پڑھایا جائے۔ واش برن نے یہاں ایک بہت اچھی بات کہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس طرح لڑکپن میں تحفظ کا سرچشمہ بچہ کے لیے ماں باپ تھے اس طرح آگے چل کر اسکول اور اسکول کے اساتذہ کو خود زندگی میں یہ تحفظ حاصل ہو۔ قوم ان کی ضروریات زندگی کو سمجھے۔ معاشرہ میں ان کو ایک مخصوص وقار حاصل ہو تاکہ وہ اپنے طالب علموں کو تحفظ کے ساتھ آگے بڑھنے کی ایک امنگ پیدا کر سکیں۔

معاشرتی شعور و جمہوریت

اس مغربی نظام تعلیم میں تیسری اہم کڑی معاشرتی شعور اور جمہوریت ہے۔ جس طرح پروفیسر برن کے نزدیک تحفظ کے لیے علم ضروری ہے اسی طرح معاشرتی شعور اور جمہوریت کا بھی چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس عنوان کے تحت وہ فرد اور جماعت کے بنیادی ربط سے بحث کرتا ہے۔ اس

کا خیال ہے کہ فرد کی صلاحیتیں جماعت ہی میں بروئے کار آتی ہیں لیکن جو جماعتی تشکیل اس کے معاشرتی احساس کی ترقی کی پوری طرح ضامن بنتی ہے وہ صرف جمہوری نظام ہے۔ وہ جمہوریت کی تعریف اس انداز سے کرتا ہے "جمہوریت ایک سوشل نظام ہے جس میں ہر فرد کو اپنی صلاحیتوں کی نشوونما کے لیے پورے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ ان صلاحیتوں کا تعلق خواہ اس کی انفرادی ترقی سے ہو یا اجتماعی بہبودی سے اس لیے تعلیم کا اہم مقصد فرد کی انفرادی اور اجتماعی دونوں صلاحیتوں کی نشوونما کرنا ہے۔ گویا اس طرح فرد کی صلاحیتیں استحکام جمہوریت کا باعث بنتی ہیں اور جمہوریت فرد کی سیرت کی تشکیل میں معاون ہوتی ہے۔ واشن برن ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ صحیح معنوں میں تعلیم صرف جمہوری نظام ہی میں ممکن ہے۔

اسلامی نظریۂ تعلیم

اس مغربی نظریۂ تعلیم سے آپ کو اس کی جامعیت کا اندازہ ہوا ہو گا۔ لیکن یہ نظریہ بھی ہنوز ان اعلیٰ اقدار اور وسعتوں سے خالی ہے جو اسلام کے نظریۂ تعلیم نے دنیا کے سامنے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے پیش کیا۔ اسلام کا نظریۂ تعلیم مغرب کے اس نظریۂ تعلیم کے اہم اصولوں سے متفق ہے وہ بھی اظہار شخصیت کے لیے نظم وضبط، تحفظ کے لیے علم کا سختی سے علمبردار ہے اور معاشرتی فلاح بہبودی کو انسان کی انفرادی ترقی کا لازمی جزو قرار دیتا ہے۔ وہ اصولی طور پر جمہوریت کا بھی مخالف نہیں۔ لیکن وہ فلاح اور جمہوریت کو لازم ملزوم قرار نہیں دیتا۔ اس کے پیش نظر انسان کی شخصی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کی نشوونما ہے۔ وہ پروفیسر برن کے تصورات اظہار شخصیت، تحفظ اور معاشرتی شعور کو ایک جامع تر اور وسیع تر انداز سے دیکھنا چاہتا ہے اور انسانیت کو یقین دلاتا ہے کہ اسلامی اقدار ہر معیار صداقت پر پورے اتریں گے اور اس نظام تعلیم کو اپنا کر انسان اپنی زندگی کی ہر منزل میں ایک ایسی بالیدگی، تحفظ اور خدمت خلق کا صحیح جذبہ کارفرما پائے گا جس کی مثال نہ مغربیت میں ہے نہ اشتراکیت میں۔

آئیے ذرا مزید غور وفکر سے اس اسلامی نظریۂ تعلیم کے اجزائے ترکیبی کا جائزہ لیں۔ قبل اس

کے ہم اسلام کے پیش کردہ تصورات شخصیت و تنظیم علم اور تحفظ اور معاشرتی احساس کی جامعیت کا ذکر کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بنیادی اصول کا ذکر کر دیا جائے جو اسلامی فکر کا محور ہے جس کے فقدان یا غلط تصور نے دیگر اصول تعلیم کو محدود بنا دیا ہے۔

انسان عبارت ہے تین اجزا سے جسم، ذہن اور روح۔ تینوں میں ایک خاص ربط اور تعلق ہے۔ ایک کی ترقی دوسرے سے وابستہ ہے۔ ایک متوازن انداز سے ان کی نشو و نما اسلامی تعلیم کا نصب العین ہے۔ جسم ارضیت سے متعلق ہے۔ اس کی غذا بھی ارض ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ البتہ صحت بخش اور مضر اشیاء میں فرق کرنا انسان کے لیے ضروری ہے۔ ذہن کی ترقی کا ذریعہ علم ہے۔ علم ہی ذہن کی غذا ہے۔ مغربی نظام تعلیم اس حد تک پہنچ کر رک جاتا ہے۔ وہ ذہن کی ترقی میں ہمہ تن مشغول ہے۔ وہ اس کی لامحدود وسعتوں کا جویا ہے۔ لیکن جس کی وجہ سے "انسان" انسان ہے، یعنی روح، وہ جو جان بن کر اس کے رگ و پے میں دوڑ رہی ہے، جو اپنے کو "میں" کہتی ہے۔ جس کی بالیدگی اور لامحدود قوتوں کے مظاہر سے انسان ناآشنا نہیں لیکن جس کی طرف قدم اٹھانے میں اس کو جسمانی کسل محسوس ہوتا ہے وہ ایک زندۂ جاوید حقیقت ہے، یہ روح عالم بالا کی چیز ہے۔ اس کی غذا بھی عالم بالا ہی سے اسے مل سکتی ہے۔ روح کیا ہے؟ "روح امر ربی" ہے۔ جب روح "امر ربی" ہے تو اس کی غذا بھی امر ربی کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے مغربی اور روسی نظام تعلیم کے جام ان اعلیٰ اور رفیع اقدار سے خالی ہیں جو روح کی ترقی کے بھی ضامن ہیں۔ جان لینا چاہیے کہ جس طرح جسم ذہن کے تابع ہے اور جسم کی بھلائی اسی میں ہے وہ ذہن کی ہدایات کے مطابق چلے اسی طرح ذہن کی بقا اور بالیدگی کا راز روح کے اعلیٰ اقدار کی اتباع میں مضمر ہے۔ اسلام یہ ہرگز نہیں کہتا کہ جسم کی ترقی اور ذہن کی ترقیول کو نظر انداز کیا جائے۔ دراصل وہ تو ذہنی نشو و نما کے لیے حصول علم ہر مرد و عورت کے لیے فرض قرار دیتا ہے۔ اور علم ہی کو انسان کی برتری کا سبب بتاتا ہے۔ اس لیے اس نظام تعلیم کا نصب العین جہاں ایک طرف انسان کو مادی قوتوں پر غلبہ دیتا ہے وہیں

وہ اس کی روحانی زندگی کے اعلیٰ اقدار سے اسے آراستہ کرتا ہے۔ جو ہر منزل میں اس کے تحفظ کا باعث ہوں۔ اسلامی نظریۂ تعلیم کا احاطہ فکر و ذہن تک محدود نہیں۔ وجدان، الہامات بھی اس کی جولان گاہ ہیں۔ وہ محض جزئیات میں الجھ کر نہیں رہتا بلکہ جزو کل کے رابطہ سے جو کشادہ فضائیں میسر آتی ہیں ان کے حصول کے دروازے بھی انسانیت پر کھول دیتا ہے۔ اس کی فکر کی جولان گاہ مبداء اور غایت دونوں سے متعلق ہے اور اسی لیے لامحدود ہے۔ یہ نظام تعلیم محض مقاصد کے حصول کے لیے آلۂ کار نہیں بلکہ انسان کو اپنے اعمال کے محاسبہ کے لیے بھی ابھارتا ہے، لہٰذا انسان کو انسانیت سے دُور نہیں جانے دیتا۔ وہ اسے بہیمیت سے نکالتا اور عقل و شعور کی طرف لاتا ہے اور انسانی فطرت کو اس کے فطری کمال سے روشناس کرتا ہے۔

اسلام کے اس بنیادی فکر کو سامنے رکھ کر اب مغربی تعلیم کے ان تینوں اجزاء پر نظر ڈالیے جن کو واٹش برن نے اپنے نقطۂ نظر سے نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے ان پر ایک سرسری نظر خود اس فرق کو نمایاں کر دے گی جو اسلامی نظام تعلیم اور مغربی نظریۂ تعلیم کے درمیان ہے۔

اظہار شخصیت اور تنظیم (اسلامی نقطۂ نظر سے)

اسلام کے نظریہ تعلیم کو مغربی نظریہ کے اس پہلو سے کہ بچہ کی تعلیم اس کی عمر اور فطری صلاحیتوں کے مطابق ہونا چاہیے بالکل اتفاق ہے۔ اسلامی تعلیم کا مقصد بھی بچہ کی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور ان کو نشو و نما دینا ہے۔ نظم و ضبط، تعلیم کی لازمی کڑی ہیں۔ دراصل تربیت تعلیم سے پہلے بھی ہے اور تربیت تعلیم کا نتیجہ بھی۔ البتہ مغرب کے اس نظریۂ تعلیم میں اسلام اس ناگزیر حقیقت کا اضافہ کرتا ہے کہ ہر بچہ کی فطرت میں وجود باری تعالیٰ کے اقرار کا ایک احساس موجود ہے۔ بچہ وجود میں آتے ہی اس نور وحدت کی تلاش اس دنیا میں شروع کر دیتا ہے۔ پہلے فطری معصومیت سے، پھر تجسس اور حیرت سے اور اس کے

بعد علم و معرفت سے ۔ وجود باری تعالیٰ کا یہ احساس تمام بنی نوع انسان میں موجود ہے اور یہی احساس ان میں ایک اخوت پیدا کرتا ہے اور یہی نکتہ اتحاد ہے جسے وحدت یا نور وحدت "اَللّٰہُ نورُ السمٰوٰت والارض" سے تعبیر کیا ہے ۔ یہی اسلامی تعلیم کا مرکزی تصور ہے اسی مرکزی تصور کو "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہا گیا ہے ۔ اسلامی نظام تعلیم میں اسی مرکزی تصور کو شخصیت کی نشوونما اور تنظیم کے لیے بنیاد قرار دیا گیا ہے ۔ ہر نظام تعلیم کا ایک مرکزی تصور ہوتا ہے لیکن اللہ کے سوا جو تصور ہے وہ محدود ہے ۔ نہ اس میں دوامیت ہو سکتی ہے نہ وسعت نہ وہ جملہ بنی نوع انسان کو ایک سلک وحدت میں پرو سکتا ہے ۔ یہ وہ وسعت ہے جو انسان انسان میں فرق نہیں کرتی ، مساوات و اخوت کا یہ سبق نہ اشتراکیت دے سکتی ہے نہ جمہوریت ۔ اسلام میں شخصیت کی ترقی کا منشا خود اس کی زندگی کو پورے طور سے بامعنی بنانا اور دوسروں کے لیے اس کی شخصیت کو مبدائے فیض بنانا ہے ۔

اسلام ہر اس نظریۂ تعلیم کو جو اس بنیادی نکتہ یعنی توحید سے تغافل برتنے ناقص سمجھتا ہے ۔ اسلام اس نظریہ کو محض پیش ہی نہیں کرتا بلکہ اس پر کاربند ہونے کے طریقے بتاتا ہے اور انسان کی فلاح و بہبودی کا ضامن بنتا ہے ۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی واضح کر دیتا ہے ، کہ فطرت انسان کی اس اصل حقیقت کو نظر انداز کرنا خود اپنے ہی کو نہیں بلکہ انسانیت کو تباہی اور بربادی سے قریب کرنا ہے ۔ الغرض اسلامی تعلیم کا مقصد ایک جامع شخصیت پیدا کرتا ہے جو انسان کی جملہ صلاحیتوں کی نشوونما بھی کرے اور ان میں ایک ہم آہنگی بھی پیدا کرے اور ہر منزل میں اس کی رہنما ہو ۔

علم و تحفظ

اسلام مغرب کے اس تصور سے بالکل متفق ہے کہ انسان کو تحفظ کے لیے علم کی ضرورت ہے ۔ وہ پہلا لفظ جو مسلمانوں کو عطا ہوا وہ لفظ "اقرأ" تھا ۔ وہ حکم دیتا ہے کہ تم زندگی کی ہر منزل میں مہد سے لحد تک علم کے حصول میں لگے رہو ۔ تمھارا مقصد صرف پڑھنا ہی نہیں

بلکہ صحیح معنوں میں علم حاصل کرنا ہے۔ وہ علم جس کی سرحدیں لامتناہی ہیں۔ "رب زدنی علما" تمہاری دعا ہے۔ مسلمانوں نے جب تک اپنے علم کے تصوّر کو محدود نہیں کیا ہر طرح کی برتری ان کا حصہ رہی۔ ایک جرمن مفکر کا کہنا ہے کہ اگر اسلامی تہذیب نہ ہوتی تو آج دنیا میں مغربی تہذیب بھی نہ ہوتی۔ جن علوم کو آج مغرب نے اس درجہ ترقی دی ہے ان کی ابتدا مسلمانوں کے ہی ہاتھوں ہوئی۔ علوم قرآن و حدیث، فقہ، علم الکلام ہی تک ان کی تحقیق محدود نہ تھی بلکہ وہ فلسفہ، سائنس، طب، جراحی، جغرافیہ، تاریخ، علم ہیئت، ریاضی غرض ہر علم میں وہ زمانے سے بہت آگے رہے۔ اور کم و بیش ایک ہزار سال تک وہ متعدد علوم میں قوموں کی رہنمائی کرتے رہے۔

البتہ یہ یاد رہے کہ جہاں اسلام وسائل پر قابو حاصل کرنا مسلمان کا دینی فریضہ قرار دیتا ہے وہیں اس حقیقی علم یعنی وحی الٰہی اور علم دین سے محرومی کو انسان کی سب سے بڑی بدنصیبی قرار دیتا ہے۔ مغربی نظام تعلیم نے جن علوم کو فروغ دیا ہے وہ زیادہ سے زیادہ لحد تک انسان کے تحفظ کے حامل ہیں۔ لیکن جہاں خود یہ زندگی ایک دائمی زندگی کا پیش خیمہ ہو وہاں صرف اس دنیا کے حفاظت کے اسباب بتانا اور اصل زندگی کو نظر انداز کرنا اسلامی تصور تعلیم کا شعار نہیں۔ اس کا نظام تعلیم ہر دور زندگی میں تحفظ کے طریقے بتاتا ہے اور دونوں جگہ پوری پوری کامیابی کا ضامن بنتا ہے۔ مغربی تعلیم کی جو انتہا ہے وہ اسلامی تصور تعلیم کی ابتدا ہے۔ وہ علوم جن کے باعث آج دنیا ترقی کے میدان میں سبقت لے جا رہی ہے مسلمان کو بھی اسی طرح حاصل کرنا ہے بلکہ ان سے زیادہ جانفشانی اور محنت سے سیکھنا ہیں کیونکہ ان سے حاصل کی ہوئی قوتوں کو انھیں بلند مقاصد کے لیے استعمال کرنا ہے۔ لیکن ان علوم سے صرف دنیا بنانا اور اصل مقصد حیات سے غافل ہو جانا مسلمان کے لیے باعث ننگ ہے۔ جس نے صرف "ربنا آتنا فی الدنیا" کہا اس کے حصہ میں صرف دنیا کی کامیابی، کامرانی اور عیش آیا لیکن جس نے کہا "ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃً وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار" اس نے دنیا میں بھی کامیابی

حاصل کی اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی فلاح و بہبودی اس کے نصیبے میں آئی اور ہر طرح کی آگ اور جدائی سے نجات پائی۔

حقیقت یہ ہے کہ اشتراکی اور جمہوری نظام کی نظر میں علم ایک وسیلہ کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن یہ فخر صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے علم کو محض وسیلہ قرار نہ دیا بلکہ علم کو مقصد حیات قرار دے کر "رب زدنی علما" کی دعا سکھائی۔ اسلام کی نظریں حقائق کی متلاشی ہیں۔ وہ اشیاء کی معرفت کی طرف دعوت فکر دیتا ہے۔ مسلمان کے نزدیک علم صفت الٰہی ہے جس کا صحیح عرفان اسے مقرب بارگاہ بنا دیتا ہے، اور اسی کی اس کو تلاش ہے۔ ہر وہ چیز جو اسے اس قرب سے دور کر دے اس کے لیے آگ ہے وہ اس سے بھاگتا ہے۔ علم کے اس تصور میں جو وسعت معنویت، رحمت اور تحفظ ہے اس کا مقابلہ علم کا کوئی دوسرا تصور نہیں کر سکتا۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ جو اس تصور کے پاسباں تھے وہی اس کے رہزن بن گئے۔ بے شمار غیر مسلم لوگ قرآن اور صرف قرآن کی صداقت پر یقین لانے کو تیار ہیں بشرطیکہ ہم خود حجاب نہ ثابت ہوں۔ اور دنیا کو یہ ثابت کر کے دکھائیں کہ ہر منزل کے تقاضوں کے مطابق ہم حصول علم میں سرگرم عمل ہیں۔ ہمارا طریقہ، تعلیم عمر کی ہر منزل میں ہماری صحیح نشو و نما کرتا ہے۔ ہمارا علم ہمارے لیے ہر منزلِ حیات میں دوسری منزل کے لیے تحفظ کے اسباب مہیا کرتا جاتا ہے اور حال کے مسائل اور مستقبل کے خطرات میں ہمارا معاون ہے۔

اسلام کے سامنے سب سے بڑا فرعون، سب سے بڑا مردود "جہل" اور "ابوجہل" تھا۔ اسلام جہل کو دور کرنے، ظلمت کو چھانٹنے کے لیے آیا تھا۔ آج بھی "محمدیت" کو جہل ہی کا مقابلہ کرنا ہے خواہ یہ جہل پڑھے لکھوں میں ہو یا بے شمار بلا پڑھے لکھوں میں۔ چونکہ اسلام کو جہل کا مقابلہ کرنا تھا اس لیے اس نے قوم کے ہاتھ میں وہ کتاب دی جس کے حق ہونے میں شبہ نہیں۔ جس کی حفاظت خود اللہ نے اپنے ذمہ لی۔ جس کی تشریح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول، فعل، عمل سے فرمائی۔ جس کو صحابہ کرامؓ نے جِلا دی۔ جس کو علماء، صوفیاء نے عام کیا جو آج

بھی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جگمگا رہی ہے اور جس کی نورانی شعاعیں دلوں کو منور کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جس کتاب کا حکم یہ ہے کہ "فکر کرو۔ کیا تم فکر نہیں کرتے" جو کتاب مشاہدہ کی دعوت دیتی ہے جو کتاب تاریخ کی ورق گردانی کی عادت ڈلواتی ہے۔ جو حقائق کی طرف کھینچتی ہے اور قلب کو سرمایۂ تسکین عطا فرماتی ہے۔ جس کا کہنا ہے کہ تم پڑھو۔ بار بار پڑھو۔ کبھی تم اس کی آیات میں تضاد نہ پاؤ گے۔ خواہ ان آیات سے آیات کلام اللہ مراد ہوں یا ان آیات سے خالق کائنات کی نشانیاں۔ اللہ کے قول و فعل میں نعوذ باللہ فرق ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ یہی کتاب تمام بنی نوع انسان کے لیے حقیقی رہنما ہے۔

لیکن اگر کوئی یہ چاہے کہ یہ دنیا جو مزرعہ آخرت ہے اسے ترک کر دے۔ اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرے۔ یہاں کے لیے ضروری علوم حاصل نہ کرے اور پھر یہ کہے کہ ہم کو دنیا میں برتری کیوں حاصل نہیں ہوتی تو یہ اس کی کج فہمی ہے۔ اسلام نے مادی اور روحانی دونوں کی ترقیوں کے در انسانیت پر کھول دیے تاکہ مسلمان وحی الٰہی کی روشنی میں اپنی انفرادیت و شخصیت کو آراستہ کریں اور علوم کی وسعتوں کو اپنا کر دین و دنیا دونوں جگہ کامیابی و تحفظ حاصل کریں۔ یہاں عالم کو مسخر کریں اور وہاں خوف و حزن سے نجات پائیں۔

اسلامی تعلیم اور معاشرتی احساس

آخر میں اسلام کے معاشرتی احساس کے متعلق چند کلمات عرض کرنا ضروری ہیں۔ اسلامی نظریۂ تعلیم کے تین اجزا ہیں۔ صحت عقیدہ، حسن معاشرہ اور تہذیب نفس۔ اسلام کا نظریۂ تعلیم، صحت عقیدہ کی کسوٹی اور نشوونما کا ذریعہ حسن معاشرہ ہی کو بتاتا ہے۔ جب تک انسانی معاشرہ کے فرائض کما حقہٗ انجام نہ دے، دوسروں کی جائز ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح نہ دے۔ مخلوق کی خدمت ایک نظام کے تحت انجام نہ دے، وہ تہذیب نفس کی منزل میں داخل ہی نہیں ہوتا۔ یہ اسلامی نظریۂ تعلیم کا اہم ترین نکتہ ہے۔ مغربی نظریۂ تعلیم نے بھی معاشرتی احساس کو بیدار کیا ہے۔ لیکن ان کی فکر "قومیت" جمہوریت، اور

قومی مفاد سے آگے نہ بڑھی۔ اسلام کا نظریۂ تعلیم ان سے بلند ہو کر نہ صرف اپنے عزیزوں اور پڑوسیوں سے ہمدردی و محبت کا سبق دیتا ہے بلکہ تمام بنی نوع انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے ایک سمجھتا ہے۔ اگر اسلام کی معاشرتی اور عمرانی حیثیت سے یہ تعریف کی جائے کہ اسلام ایک کی جائز ضرورت کو دوسرے کا دین قرار دیتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اسلام کا زور حقوق پر نہیں بلکہ فرائض پر ہے۔ انھیں فرائض کی بجا آوری پر وہ انسان کو تیار کرتا ہے تاکہ حقوق کے ساتھ جن خود غرضیوں کا تصور ہے ان سے وہ نکل جائیں اور معاشرہ کو حیات بخش معاشرہ بنا سکیں۔

اسلام نے اپنی فکر کی جولان گاہ کو صرف انسانوں تک محدود نہیں رکھا۔ اس نے بے زبان جانوروں، چرند، پرند، سب کے حقوق بتلائے۔ سب سے محبت کرنا سکھایا۔ اسلام یہ تک اجازت نہیں دیتا کہ ایک سایہ دار درخت کی ٹہنی یا پتہ بلا ضرورت توڑ کر پھینک دیا جائے۔ کسی جانور کو بلا وجہ مار ڈالا جائے۔ البتہ یہ دنیا جو انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے اس سے وہ استفادہ کر سکتا ہے لیکن اس استفادے کے آداب ہیں تاکہ زندگی ایک امر کے تحت ہو۔ اتباع میں ہو۔ سرکشی سے نہ ہو، محبت سے ہو نفرت سے نہ ہو۔

دنیا کا کوئی نظامِ تعلیم یہ وسعتیں پیش نہیں کر سکتا لیکن اس بدنصیبی کا کیا کیا جائے کہ ہم خود اپنے علم کے ورثہ کو کھو بیٹھے۔ ہمارے انداز دوسروں نے لے لیے اور ہم کو اس ورثہ کے کھو جانے کا بھی احساس نہ رہا۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

یقیناً ہمارے اداروں میں اسلام کا نام لیا جاتا ہے۔ لیکن ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا ہم بھی اسلام کو مرکزی تصور بنا کر اپنی تعلیم کو اسلام کی وسعت اور ہمہ گیری سے اس طرح آراستہ کر رہے ہیں جیسے کہ اشتراکیت پسند اور مغربی جماعتیں اپنے مقاصدِ حیات سے

پیش نظر اپنے نظام تعلیم کو سنوارنے میں لگی ہوئی ہیں ۔

ذرا سوچیے اگر کفر و لادینیت پر یقین کامل کے ساتھ ایک سائنٹیفک انداز سے عمل کر کے ایک اشتراکی نظام اس قدر ترقی کر سکتا ہے کہ آج آدھی سے زیادہ دنیا اس سے خائف ہے تو ایک خدا پرست معاشرہ اپنے مرکزی تصوّر پر ایمان کامل کے ساتھ اور اپنے نظام تعلیم کو سائنٹیفک انداز سے پیش کر کے کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کی قوت، اس کے استحکام اس کے اثر، اس کی افادیت، اس کی محبت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔ یہی وہ واحد نظام تعلیم ہے جو ہماری شکستہ حالی کے باوجود ہم کو ساحل مراد تک پہنچا سکتا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم احساس کمتری سے نکلیں۔ اپنے پر اعتماد کریں اور انفرادی اور قومی زندگی میں کردار کی بلندی، راستبازی، ایثار، خدا ترسی، حق پرستی کے جوہر پیدا کریں اور علوم کی وسعتوں کو محدود نہ ہونے دیں تاکہ ہم اس زبوں حالی سے نکل کر خود اپنے اور ملک و ملت کے کام آسکیں اور جو امانت ہمیں دی گئی ہے اس کا حق ادا کر کے اللہ کے فضل و کرم کے مستحق بنیں ۔

" اور کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ کا) نہ اٹھاوے گا اور اگر کوئی بوجھ کا لدا ہوا (یعنی کوئی گنہگار) کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے بلاوے گا (بھی) تب بھی اس میں سے کچھ بھی بوجھ نہ ہٹایا جاوے گا اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی (کیوں نہ) ہو آپ تو صرف ایسے لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو شخص پاک ہوتا ہے وہ اپنے لیے پاک ہوتا ہے اور اللہ کی طرف لوٹ جانا ہے ۔"

" سورۃ فاطر "